ایک علیگ کا تاریخی ناول

محمد نعیم*

Abstract:

Historical Novels in Urdu are usually written in a stereotype manner. The popular formula of such novels is the selection of Muslim male and non-Muslim female protagonists. The article introduces an historical novel of nineteenth century written by an Alig. It takes account of the formulaic technique and by analysis of the novel shows the fallacies that stereotype thinking may produce. It also brings forth the biased position taken by the writer in the early days of nationalism.

اردو میں تاریخی ناول انیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں سامنے آیا۔اس کا پہلا نمونہ شرر کا ملک العزیز ورجنا(۱۸۸۸ء) ہے ۔ اردو تنقید نے عام طور پر تاریخی ناول کو سوئی ہوئی قوم کو جگانے کا ذریعہ خیال کیا ہے۔(۱) ہماری نظر میں اس رائے کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔اس جائزے کا ایک طریقہ تاریخی ناولوں کا تجزیہ ہے، جس سے یہ سامنے آسکے گا کہ کیا واقعی یہ ناول سوئی قوم کو جگانے کا سامان ہیں؟

اردو میں تاریخی ناول کی ایک مخصوص ، اور بہت حد تک مقبول، صنف (Genre) اس ثنویت پر مبنی ہے، جس میں ہیرو مسلمان مرد، ہیروئن غیر مسلم عورت، اور مرکزی کردار غیر تاریخی، جبکہ تاریخی افراد غیر اہم کردار کے روپ میں سامنے لائے جاتے ہیں۔ یہ فارمولا اردو کے کئی تاریخی ناولوں میں استعمال کیا گیا ہے۔(۲) اس فارمولے میں عموماً جنگی ہیرو کی ملاقات اتفاقاً 'پری رو' سے ہوتی ہے۔ جنگ اور محبت دونوں ساتھ ساتھ پروان چڑھتے ہیں۔داستانوں (۳) کی طرح یہاں بھی مرد غیر مسلم عورتوں کو کلمہ پڑھا کر اپنے دائرے میں شامل کرتے ہیں، اور خواتین اُن کے لئے اپنا مذہب، ملک اور خاندان ترک کر دیتی ہیں۔ بیانیے کے مرکز میں یہی جوڑی رہتی ہے اور تاریخی افراد کو قصے کے درمیان میں انھی کی وساطت سے سامنے لایا جاتا ہے۔اس جائزے میں ہم نے تعمیریت (Constructionist) کا مطالعاتی طریقہ کار استعمال کیا ہے، جس میں موضوع اور ہیئت کی

* شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا

ثنویت کے روایتی تصور کی بجائے، مصنف کی ناولانہ پیش کش تجزیے کا موضوع بنے گی۔ہم دکھائیں گے کہ 'معنی' پہلے سے سوچے ہوئے منصوبے کی بجائے 'بیان' کی تعمیر سے ہی متشکل ہوتے ہیں۔مزید یہ کہ سیاہ وسفید کی دوئی پر مبنی سوچ ناول کی ہیئت کو نقصان پہنچاتی ہے، اور خود لکھنے والے کے دعاوی کی، متضاد آرا اور صورتِ احوال کی موجودگی سے قلعی بھی کھول دیتی ہے۔

یہاں ایک ایسے تاریخی ناول کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، جس پر بحث عموماً ناول کی تاریخ وتنقید پر لکھی گئی کتب میں نہیں ملتی۔اس کا لکھنے والا ایم اے او کالج علی گڑھ سے فارغ التحصیل عبدالرحمٰن ہے۔ناول کے سرورق پر 'سچا اور دلچسپ تاریخی ناول' کے الفاظ درج ہیں۔عنوان کے نیچے ۹ نکات میں ناول کے مندرجات بھی لکھ دیئے گئے ہیں، جن کی مدد سے شاید ناول کے مطالعے کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ناول کے تین عنوانات یکے بعد دیگرے دیے گئے ہیں: عارف وزینب یعنی محاراتِ پلونہ، معروف بہ کارنامہ غازی عثمان پاشا نوری۔مصنف کے دیباچے سے خبر ملتی ہے کہ یہ The Battle of Paloona نامی ایک انگریزی کتاب سے ماخوذ ہے۔مصنف نے دیباچے میں وضاحت کی ہے کہ انگریزی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اُس نے کچھ واقعات نوٹ کر لیے تھے، جنھیں بعد میں ناول کی صورت میں جوڑ دیا گیا ہے۔اس لئے اسے ترجمہ کی بجائے تشکیلِ نو (Reconstruction) سمجھنا ہی قرینِ قیاس ہے۔ناول میں مذکور واقعات ترکی اور روس کے مابین ۱۸۷۵ء میں ہونے والی جنگ سے لئے گئے ہیں۔سرشار نے فسانۂ آزاد کے ہیرو کو بھی اسی جنگ میں حصہ لیتے دکھایا تھا۔دیباچے میں ہی مصنف نے وضاحت کر دی ہے کہ اس کا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے یہ ہے کہ 'جانباز' مسلمانوں کا قصہ بیان کیا جائے۔اُسے امید ہے کہ اِس ناول کے مطالعے سے ''اگر خدا نے چاہا تو بہت سے سوتے جاگ اٹھیں گے۔'' یہ دیکھنا دل چسپی کا حامل ہے کہ ناول کا عمل مصنف کے اس دعوے کی کس حد تک تائید کرتا ہے۔ دیباچے کے اختتام پر عبدالرحمٰن از ہوشیار پور لکھا ہے اور ۲۲ جولائی ۱۸۹۹ء کی تاریخ درج ہے۔سرورق پر سنِ اشاعت درج نہیں، البتہ دیباچے کی اس تاریخ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اِسی برس نہیں تو ایک آدھ برس بعد تک کتاب شائع ہوگئی ہوگی۔

عارف وزینب کا پہلا باب جس پر 'رخصت' کا عنوان باندھا گیا ہے، مرکزی کرداروں عارف اور زینب کی الوداعی ملاقات کے بیان پر مشتمل ہے۔ان کے مکالموں سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف ایک جنگی محاذ پر جا رہا ہے اور اس کی یہودی محبوبہ زینب پیش آمدہ جدائی پر متاسف ہے۔وہ اسے روکنے کی کوشش کرتی ہے اور شانِ محبوبی سے کہتی ہے کہ عارف کو اس کے الم کا کوئی احساس نہیں۔اس پر عاشقِ زار، جسے مصنف نے اسلامی جوش پیدا کرنے والا بتایا تھا، یہ کہتا ہے:

''تمھارے غم کے سوا اور کوئی غم نہیں۔جس طرح سے کہ برقی سوئی کششِ مقناطیس

سے متاثر ہو کر ہمیشہ شمال کی جانب کو دکھاتی ہے، اسی طرح تمھارے عارف، تمھارے
سوگوار عارف کا دل کہیں کیوں نہ ہو، تمھاری ہی طرف مائل رہے گا۔ حقیقت ہے کہ
بے روح کا قالب تم سے رخصت ہوتا ہے۔''(۴)

یہودی معشوقہ کو ناول میں شامل کرنے سے مصنف کے لیے امکان پیدا ہوا کہ وہ ایسے مناظر دکھا سکے، جن کو مسلم خاتون کے حوالے سے انیسویں صدی کی اشراف ثقافت میں دکھانا شاید ممکن نہ ہوتا۔ ایک ایسا ہی منظر اُس وقت سامنے آتا ہے جب مصنف کی اِسی ملاقات کے آخر میں زینب کی مخمور آنکھوں میں ''بوسہ لینے'' کی آرزو دکھائی گئی ہے، جسے عارف سمجھ کر تعمیل کرتا ہے: عارف نے زینب کو ''ایک ہاتھ کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اُس کے ملائم رخساروں پر ایک بوسہ اِدھر اور ایک بوسہ اُدھر دے کر کہا: اور کوئی آرزو؟''(۵) یہ ہے وہ کردار، جسے مصنف نے مذہب کا نام زندہ رکھنے والا بتایا ہے اور اِسی کو مثال کے طور پر دکھا کر اُس کی تمنّا ہے کہ سوتے ہوئے جاگ اٹھیں۔ یہاں مصنف نے پہل زینب سے کروائی ہے۔ کیا اس لیے کہ عارف پر کوئی الزام نہ دھرے یا اس لیے کہ خادم ایسے ہوتے ہیں، جن پر دیگر اقوام و مذاہب کی خواتین فریفتہ ہوتی ہیں۔ پہلے باب کا یہ اختتام ایک مقبول پسند خاتمہ ہے۔ لڑکی کے غیر مسلم ہونے کے سبب 'نامحرم' کا سوال پیدا نہیں ہوا، یا ''جاں باز مسلمانوں'' کے لیے شاید مصنف اسے روا سمجھتے ہیں۔

پہلے باب میں عارف اور زینب کے مکالمے سے سامنے آتا ہے کہ عارف ایک بدنصیب انسان ہے، جس کی بچپن میں ماں وفات پا گئی اور باپ نے ایک عیسائی عورت سے شادی کر لی، جس نے دھوکے سے زہر دے کر اُس کے باپ کو مار دیا اور اب اُس کی جان کے درپے ہے۔ عارف کو زہر دینے کی ناکام کوشش ہو چکی، اب اسے حربی ادارے میں داخل کروایا گیا کہ محاذ پر جائے اور جنگ میں کام آ جائے۔ عارف کے اپنے بیان کے مطابق اس کی سوتیلی ماں اور باپ جائیداد ہتھیانے کے لیے اُسے مارنا چاہتے ہیں۔

مصنف دکھاتا ہے کہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے عیسائی عورتیں کسی بھی حد تک جا سکتی ہیں۔ وہ ''جان مال سے، عزت سے آبرو سے'' کسی بھی حد سے گزرنے پر تیار ہیں۔ یہاں مصنف کا نقطۂ نظر ہماری رائے میں ناہموار ہے۔ وہ اپنے کردار کو مصنف کی نظر سے نہیں، ایک تعصب کی نظر سے دیکھ رہا ہے، یہ تصویر تب مزید نمایاں ہوتی ہے، جب اس نے ترک فوجیوں کو لبھاتے ہوئے عیسائی عورتوں کو دکھایا، ان کا کام بس یہی ہے کہ جنگ میں کسی طرح ترکوں کو شکست ہو۔ ترک فوجی بھی ناول میں احمق دکھائے گئے ہیں، جو ایسی عورتوں کے بھرّے میں آ جاتے ہیں۔ ناول میں الفا نامی فریبی لڑکی ہے، جسے عارف کی سوتیلی ماں نے یہ کام سونپا ہے کہ وہ پاشاؤں کو ساتھ ملا کر، عارف کو اگلے محاذ پر بھجوائے تاکہ جلد از جلد اس کا کام تمام ہو۔ ساتھ ہی ساتھ جنگ کا میدان بھی دکھایا جاتا ہے، جس میں ترکوں کے باہمی اختلاف جزوی یا کلی شکست کی وجہ بن رہے ہیں۔ سب سے زیادہ کامیابی سے لڑنے والے مشیر کی رائے بھی یہی ہے، عارف اُسی کا خاص مصاحب بنا ہوا ہے۔

فوجیوں میں جوش بھرنے کے لیے اس ناول میں افسران کو تقریروں کا سہارا لیتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان میں ایک کا تجزیہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ مقرر عادل پاشا نامی شخص ہے جو فوجیوں کو ''اسلامی بہادرو'' کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کے لفظوں میں یہ جنگ ''اسلام کے نام کو ناموس سے بچانے'' کے لیے ہے۔ وہ جوش بھرنے کے لیے ماضی سے بزرگوں کی مثالیں پیش کرتا ہے، یاد رہے یہ مثالیں ملت کے بزرگوں کی نہیں، خود ترکوں کے اپنے آباؤ اجداد کی ہیں۔ وہ ماضی قریب سے مثالیں منتخب کرتا ہے، تاکہ اپنی افواج کے حوصلوں کو ایک حقیقی، اور ان کی آنکھوں دیکھی مثالوں سے بڑھائے، تقریر کا اختتام اس عہد پر ہوتا ہے کہ مارو یا مر جاؤ، ذلت سے جینے کی بجائے موت کو ترجیح دو، ایسے جینے پہ ''لعنت''۔ (۶) اس کے مقابلے میں اردو کے اولین تاریخی ناول نگار شرر کے ناولوں کی ایسی تقریروں اور کرداروں کے انتخاب پر نظر ڈالی جائے تو حوصلہ شکن صورتِ حال کا سامنا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ''اسلامی پبلک'' کے لئے لکھتے ہوئے شرر جن کرداروں کو نمونے کے طور پر تاریخی ناولوں میں بہادر اور شجیع دکھاتے ہیں، ان میں کوئی بھی ہندوستان سے تعلق نہیں رکھتا۔ ان کو بہادری کے جوہر عربوں، ایرانیوں یا وسطی ایشیائی باشندوں میں ملتے ہیں۔ عارف و زینیمیں مذکور تقریروں میں پیش کی گئی بہادری کی مثالوں اور شرر کے شجاعانہ ماڈل کا جب تقابل کیا جائے تو یہ فرق بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے عبدالرحمٰن نے یہ حصہ انگریزی کتاب سے لیا ہو، جس میں ترکوں کے لئے بہادری کا قابلِ تقلید نمونہ ترک ہی ہیں، اس کے مقابلے میں شرر ہندوستانی مسلمانوں میں جذبہ غیر ہندوستانی اور ماضی بعید کی مثالوں سے بھرنا چاہتے تھے، جس سے ہمارے نزدیک اُن خطوں کی عظمت کا نقش تو شاید ہندوستانی قارئین کے ذہن پر بیٹھ گیا ہو، اس مثال سے اثر قبول کرنے کی بات دور کی کوڑی لانے جیسا ہی ہوگا۔

عبدالرحمٰن کی نظر میں یورپی افراد اپنی قوم (Nation) پر مرمٹتے ہیں، لیکن ان کے مقابلے میں ایشیائی بغلی گھونسے ثابت ہوتے ہیں۔ ان کا راوی بیان دیتا ہے کہ کسی یورپی نے کبھی اپنی ''نیشن کے ساتھ دغا'' نہیں کی۔ یہاں مصنف / مترجم دکھاتے ہیں کہ الفا جو عارف کی جانی دشمن ہے وہ سلیم آفندی نامی ترک کو اپنے ساتھ ملا لیتی ہے، اور اپنی اداؤں اور چھل فریبیوں سے دام میں کر کے، مشیر کو مروانے یا روسی فوج کو راستہ دینے کی کوشش کرتی ہے، دوسری طرف انھی کا راوی یورپیوں کی وطن دوستی کے گن گاتا ہے۔ ناول میں فرانس اور برطانیہ کو روس کے مقابلے میں ترکی کی مدد کرتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ دونوں ملکوں میں خصوصاً انگلش لوگوں کو ''صداقت پسند'' کہا گیا ہے، جو ہمیشہ درست مشورہ دیتے ہیں۔ ایک علی گڑھ کے فارغ التحصیل سے انگلستان اور یورپ کی بابت ایسے ہی خیالات سامنے آئیں گے یا یہ انگریزی کتاب کا نقطۂ نظر ہے اس بارے اصل کتاب کو دیکھے بغیر رائے دینا، درست نہیں۔ ایک طرف ناول میں الفا کے روپ میں عیسائیوں کی طرف سے مسلم سلطنت کے خاتمے کی کوششیں دکھائی گئی ہیں، دوسری طرف برطانیہ اور فرانس اپنے عیسائی ہونے کو اپنے سچا ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں۔ ایک عیسائی عورت مسلمانوں کو ختم کرنے پر تلی ہے، دو عیسائی ملک بیانیے میں انھیں بچانے پر کمر بستہ ہیں، یہ تضاد شاید مصنف کو سوجھا نہیں، یا

انھوں نے پہلے سے سوچے ہوئے واقعات کو اٹکل سے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ یورپی طاقتیں ایسے وقت میں ترکی کا سہارا بنی دکھائی گئی ہیں، جب اس کے اپنے کارندے، مشیر اور اراکینِ سلطنت دھوکا دے چکے ہیں۔ فرانسیسی سفیر اپنی مدد کو انسانیت کی بنیاد پر، جب کہ باقی یورپی طاقتوں کی مدد کو مبنی بر مفاد بتاتا ہے۔ (۷)

اس داخلی تضاد کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ واقعات تو مصنف نے انگریزی کتاب سے لے لیے، تاہم اسے ناول میں بدلتے ہوئے جب اپنے تخیل کا سہارا لیا اور امت کی بھلائی کے لیے جب ایک مسلم کی نظر سے واقعات کو ترتیب دیا، تو یہ تضادات پیدا ہو گئے۔ اس قیاس پر کہا جا سکتا ہے، کہ یورپی ملکوں کے بارے بیانات انگریزی کتاب سے ماخوذ ہیں، جب کہ عیسائی عورتوں کے بارے بیانات مصنف کے اپنے ذہن کا شاخسانہ ہیں۔

عارف ناول میں عثمان پاشا کے ساتھ مل کر اہم مہمات سر کرتا ہے اور جنگ میں کارنامے دکھاتا ہے، جس سے وہ اخبارات کے ذریعے ترکی اور روس میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اس کی غیبت میں زینب کے والدین اسے رابن نامی نوجوان سے شادی پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن وہ مان کر نہیں دیتی۔ راوی کے بقول رابن:

> ''ہر زبان کا ماہر اور ذکی، طباع، تمام سلطنت میں اس کی شہرت اور اس کے اوپر یہ کہ جوان سجیلا، خوش وضع شکیل، [...] ایسے شخص کے ہزاروں شائق ہوتے ہیں۔ مگر واہ رے زینب اس طرف رخ بھی تو نہیں۔ اگر عارف سے قلبی لگاؤ نہ ہوتا تو ہمارے خیال میں بھی اس کو انکار کا کوئی موقع نہیں تھا۔'' (۸)

آخر میں مصنف مقبول ادب کی روش کے مطابق دونوں کی ہزار مشکلوں کے بعد شادی کروا دیتے ہیں۔ مصنف نے اپنے معاصر سماجی ماحول کے پیشِ نظر ایک غیر مسلم عورت کو مرکزی کردار منتخب کیا ہے، جس کی مثال ان سے قبل شرر ملک العزیز ورجنا میں پیش کر چکے تھے۔ دوسری بات اپنے قارئین کو نظر میں رکھتے ہوئے مصنف نے ترکوں کی شکست کے باوجود عارف کو روسیوں کی قید سے بھی زندہ چھڑا لیا ہے۔ بلکہ روسی اس کے کارناموں کے معترف ہو جاتے ہیں اور اسے مشیر کے ساتھ بڑی عزت و تکریم کے ساتھ روس سے وداع کرتے ہیں۔ ایسی مصیبتوں کے بعد عارف کا نکاح اس کی پسند کی خاتون سے ہو جاتا ہے، جو صرف اس سے محبت کی وجہ سے ہر طرح کے رشتے کو ٹھکرا دیتی ہے۔ معاصر معاشرتی ناولوں کی طرح اس کا کلامیہ بھی مردانہ ہے، جو عورتوں کو فریب کی شے، اور وفا کا پیکر بنا کر پیش کرتا ہے۔ اگر اچھی ہے تو وفا کا پیکر ہوگی اور اپنے عاشق مرد سے کبھی بے وفائی نہ کرے گی، بری ہے، تو سلطنتوں کی تباہی کی ذمہ دار بن جائے گی۔ مصنف پر استعماری کلامیے کا اثر بھی نظر آتا ہے، وہ غیر یورپیوں کو بزدل، مکار اور اپنے ہی گھر میں سیندھ لگانے والے بنا کر دکھاتے ہیں، ان کے مقابلے میں یورپی اپنے وعدے کے پکے، قول کے سچے، دوست ہو یا دشمن سب کو صحیح رائے اور مشورہ دیتے ہیں۔ ناول کے آخر میں عارف کے لیے اور خود مصنف کے لیے، ترکی کے جنگ ہارنے کے باوجود اطمینان کا سامان عارف کی یہودی لڑکی سے پسند کی شادی ہے۔ جنگ ہار کر پسند جیت لی گئی ہے۔ یہ ایک مقبول پسند خاتمہ ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری، شرر کے تاریخی ناول اور ان کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ (لاہور: مکتبۂ خیابانِ ادب، ۱۹۷۸ء)، ص۲۔
۲۔ اس فارمولے پر شرر نے کئی ناول لکھے، مثال کے طور پر منصور موہنا، اور لعبتِ چین؛ راشد الخیری کے اسلامی تاریخی ناولوں میں بھی یہ فارمولا ملتا ہے، مثال کے لیے دیکھیے ان کا ناول ماہِ عجم۔
۳۔ مثلاً باغ و بہار میں بت پرست خواتین کو کلمہ پڑھا کر خواجہ سگ پرست ان سے نکاح کر لیتا ہے۔
۴۔ محمد عبدالرحمٰن بی.اے.، عارف وزینب، یعنی محاربات پلونا، معروف بہ کارنامہ غازی عثمان پاشا نوری (لاہور: رفاہِ عام سٹیم پریس، ۱۸۹۹ء)، ص۴۔
۵۔ ایضاً، ص۱۰۔
۶۔ ایضاً، ص ص۷-۲۶۔
۷۔ ایضاً، ص ص۲-۹۱۔؛ کوشش کے باوجود ہم The Battle of Paloona نامی کسی کتاب کا سراغ نہیں لگا سکے۔
۸۔ ایضاً، ص۲۹۔ یہاں ''ہمارے خیال میں'' کے الفاظ کو مصنف کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے نمایاں کیا گیا ہے۔